(۸۶)

سُورۂ طارق

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں سترہ آیات ہیں

ماقبل سے ربط اس سورت شریفہ کا سورت ماقبل سے ربط اور مناسبت اس طرح ہے کہ دونوں سورتوں کا آغاز والسمآء کے کلمہ سے ہوا ہے۔ اُس کے آخر میں قرآن مجید کی

اس سورت کے مکیہ ہونے کا ثبوت حضرت خالد عدوانی فرماتے ہیں:۔ انه ابصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسوق ثقیف وهو قائم علی قوس او عصا حین اتاهم یبتغی النصر عندهم فسمعه یقرأ والسمآء والطارق حتی ختمها قال فوعیتها فی الجاهلیة ثم قرأتها فی الاسلام (امام احمدؒ، بخاری، ابن مردویہ، طبرانی) خالد عدوانی نے حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ثقیف کے بازار میں دیکھا کہ کمان یا عصا پر ٹیک لگائے کھڑے ہیں اور ثقیف کی مدد کے خواہاں ہیں اس وقت آپ سورۂ والسماء والطارق تلاوت فرما رہے تھے۔ تا آنکہ اس کو ختم فرما لیا۔ اسی وقت میں نے قبول اسلام سے پہلے اس کو حفظ کر لیا پھر قبول اسلام کے بعد بھی اس کو پڑھتا رہا۔"

حفاظت اور اس کے اول میں ہر نفس کی حفاظت کا بیان ہے نیز ماقبل سورت میں کفار کی تکذیب کا حال بیان ہوا تھا کہ وہ قرآن کریم کو اللہ سبحانہ کا کلام ہونے کا انکار کر رہے تھے اور جھٹلا رہے تھے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔ اس سورت شریفہ میں انسان کی حقیقت حال بتائی جا رہی ہے کہ وہ کیسا درماندہ عاجز اور حقیر ہے۔ وہ قرآن کریم جیسے عالی مرتبت کلام کی منزلت کیا جانے؟ اللہ سبحانہ نے جو استعداد انسان میں ودیعت رکھی ہے اگر اس سے کام لیتا تو ایسی واہی تباہی باتیں نہ کرتا۔ آخر پر قرآن کریم کی رفعت شان ظاہر کرتے ہوئے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی دی ہوئی استعداد سے کام نہ لینے والے بلکہ اس کو بگاڑ لینے والوں کا جواب یہی ہے کہ ان کو ذرا سی مہلت دی جائے اور انتظار کیا جائے کہ ان کے ساتھ عنقریب کیا سلوک ہونے والا ہے؟ ان کی ان حرکات سے ملول و دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

86-1
86-2
وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾ وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾
86-3
86-4
النَّجۡمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾ اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ ؕ﴿۴﴾ قسم ہے

آسمان کی اور رات کو آنے والے کی' اور کچھ تم نے جانا کیا ہے وہ رات کو آنے والا'

وہ تارا ہے خوب چمکنے والا" کوئی جان نہیں مگر اس پر نگہبان ہے۔"

شان نزول کلبیؒ فرماتے ہیں: ۔ اتی ابوطالب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتحفہ بخبزٍ ولبنٍ فبینما ھو جالس یأکل اذا انحطم نجم فامتلأ ماثمہ ففزع ابوطالب وقال ای شئی ھذا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذا النجم رمی بہ وھو آیۃ من آیات اللہ عزوجل فعجب ابوطالب فانزل اللہ تعالیٰ والسماء والطارق۔ (مظہری) حضرت ابوطالب نے حضور اکرم رسول انس وجاں علیہ صلوات الرحمان کی خدمت میں روٹی اور دودھ کا تحفہ پیش کیا آپ اس کو نوش فرما رہے تھے کہ ایسے میں ایک تارا ٹوٹ پڑا جس سے فضا روشن ہوگئی۔ اس سے ابوطالب گھبرا گئے اور پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اس پر سید عالم رسول دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک تارا ہے جس کے ذریعہ (شیاطین پر) مار پڑی ہے۔ یہ بھی خدائے عزوجل کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے (کہ شیاطین ملأ اعلیٰ کی باتیں سننے کے لئے سماوات پر آتے ہیں تو ان کو اس طرح مار کر بھگا دیا جاتا ہے) یہ سن کر ابوطالب تعجب کرنے لگے۔ اس موقع پر یہ چند آیات والسماء والطارق سے لما علیھا حافظ تک نازل ہوئیں۔"

مذکورہ آیات کریمہ کی تفسیر ان آیات کریمہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ آسمان کی

قسم ہے رات کو آنے والے کی قسم ہے اور تمہیں کیا معلوم کہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ اس سوال میں رات کو آنے والے کی عظمت شان بتانا منظور ہے کہ وہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے نہایت مہتم بالشان ہے۔ وہ حد درجہ چمکیلا ستارا ہے جو ٹوٹ پڑا ہے جس کے ذریعہ احکام قضاو قدر جو ملائکہ کرام کو دئے گئے ہیں اور ملائکہ میں ان کا چرچا ہو رہا ہے اور متعلقہ فرشتوں میں ان کی تقسیم ہو رہی ہے ان کو سننے کے لئے شیاطین اوپر آتے ہیں تو شہاب ثاقب کے ذریعہ مار کر فرشتے ان شیاطین کو بھگا دیتے ہیں۔ پھر ارشاد ہو رہا ہے کہ ایسا انتظام و اہتمام صرف ملأ اعلیٰ اور آسمانوں تک ہی محدود نہیں۔ کائنات ارضی کے ہر متنفس کے لئے بھی کوئی نہ کوئی نگہبان موجود ہے جو منشائے الٰہی کے مطابق اس کی حفاظت پر مامور ہے۔

تفسیر سلف صالحین حضرت حبرالامۃ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ا قسم ربك بالطارق وكل شئى طرقك بالليل فهو طارق (ابن مردویہ) كل نفس عليها حفظة من الملائكة (ابن جریر) تمہارے رب نے طارق کی قسم کھا کر اور اس کو گواہ ٹھہرا کر فرمایا ہے کہ ہر متنفس پر محافظ فرشتے متعین ہیں۔ رات کے وقت جو بھی دروازہ کھٹکھٹائے اور دستک دے اس کو طارق کہتے ہیں۔" یہاں طارق سے شہاب ثاقب مراد ہے جو دن کو نظر نہیں آتا اور رات میں ٹوٹ کر گرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔

والسماء والطارق قال ھو ظھور النجم باللیل یقول یطرق باللیل النجم الثاقب قال المضیئ ان کل نفس لما علیھا حافظ قال ما کل نفس الا علیھا حافظ قال وھم حفظۃ یحفظون عملک ورزقک واجلک فاذا توفیتہ یا ابن آدم قبضت الی ربک (عبدالرزاق، عبدبن حمید، ابن المنذر) ۔ ان آیات کریمہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ رات کے وقت آسمانوں پر ستارے جو چمکتے اور جگمگاتے رہتے ہیں (اور بعض ٹوٹ پڑتے ہیں) یہ سب تمہاری حفاظت کا سامان ہے۔ اسی طرح ہر نفس جاندار کی حفاظت کے لئے محافظ مقرر ہیں جو تمہاری حفاظت کے علاوہ تمہارے اعمال، اور تمہارے رزق، اور تمہاری عمر اور بقا کے بھی محافظ ہیں۔ اے فرزند آدم! جب تو اپنے عمل، اور روزی اور عمر کی تکمیل کر چکتا ہے تو تیری جان کو قبض کر کے تیرے رب کے حضور میں پیش کر دیا جاتا ہے۔"

قوم سے خطاب اگر ستارے نہ ہوتے تو شب تاریک میں راستہ چلنا دشوار ہو جاتا۔ خشکی پر سواریاں، سمندر میں جہاز اور فضا میں طیارے اپنی رفتار اور پرواز برقرار نہ رکھ سکتے۔ اوقات اور موسموں کا حال معلوم نہ ہوتا۔ اللہ سبحانہ جو سب کا حافظ حقیقی ہے اس کا کتنا کرم ہے کہ ہماری سہولت اور حفاظت کا بے شمار سامان مہیا فرمایا۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ ستاروں کی گنتی کتنی ہے؟ اور ہر ستارے کے اندر ہمارے لئے کیا کیا سہولتیں ودیعت

فرمائی گئی ہیں ؟ اسی طرح کائنات میں جاندار چیزیں کتنی ہیں اور ان کی حفاظت کے لئے کتنے فرشتے متعین ہیں اور وہ کس طرح ہر متنفس کے حفظ و بقا کے انتظام میں لگے ہوتے ہیں۔ پھر نہ صرف ہر جاندار کا تحفظ فرمایا گیا ہے بلکہ اس کے ہر عمل کا تحفظ بھی کیا گیا ہے جبھی تو ہر جاندار صبح و شام اپنا اپنا کام جاری رکھا ہوا ہے۔ اگر کام کا موقع نہ دیا جاتا اور اس کا سامان فراہم نہ ہوتا تو کوئی کام بھی نہ ہو سکتا۔ پھر ہر متنفس کی روزی ہر ایک کے مناسب حال وقت مقررہ پر میسر آرہی ہے اور اس طرح زندگی کے دن پورے ہو رہے ہیں۔ جب ہر ایک کا کام ختم ہو جائے روزی کی تکمیل ہو جائے اور وہ مدت جو ہر ایک کو یہاں رہنے کے لئے دی گئی ہے وہ پوری ہو جائے تو ہر متنفس جہاں سے آیا تھا وہیں لوٹ جاتا ہے۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ ہم سب اللہ سبحانہ کے پاس سے آئے تھے پھر سب اسی کی طرف لوٹ جائیں گے"۔ لہٰذا ہم کو غور کرنا چاہیے کہ ہم کون ہیں ؟ کس چیز سے بنائے گئے ہیں ؟ کہاں ہیں ؟ کہاں سے آئے ہیں ؟ کہاں جائیں گے ؟ یہاں آئے ہیں تو کس نے بھیجا ہے ؟ اور کس لئے بھیجا ہے ؟ جس کام کے لئے بھیجا ہے ایا اس سے ہم کو آگاہ فرما دیا گیا ہے ؟ یہ چند سوالات ہیں جو ہمارے غور و فکر کے طالب ہیں۔ ہم کو ان سوالات کا صحیح صحیح جواب دینا ہوگا۔ اگر ہمیں ان چند جوابات کی تصحیح کرلی جائے تو کامیابی کی توقع ہو سکتی ہے۔ اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو نجات و کامیابی کی کیا صورت ہوگی اس پر بھی غور کر لیا جائے۔ یہ سوالات ایسے ہیں کہ معمولی

عقل وفہم رکھنے والا انسان اس کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کسی نے کیا خوب کہا ہے

گر از پئے شہوت و ہوا خواہی رفت   از من خبرے کہ بے نوا خواہی رفت

بنگر چہ کسی و از کجا آمدۂ   می داں کہ چہ می کنی کجا خواہی رفت

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ ۝ يَخْرُجُ 86-5 86-6

مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝ اب غور کرے انسان کہ وہ کس چیز سے پیدا 86-7

کیا گیا؟ وہ پیدا کیا گیا ہے اچھلتے پانی سے، وہ نکلتا ہے پیٹھ اور چھاتی کے درمیان سے۔

شان نزول حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں:۔ ھوابوالاشدین کان یقوم علی الادیم فیقول یامعشر قریش من ازالنی عنه فله کذا وکذا ویقول ان محمدا یزعم ان خزنة جهنم تسعة عشر فانا اکفیکم وحدی عشرة واکفونی انتم تسعة۔ (ابن ابی حاتم) یہاں الانسان سے ابوالاشدین مراد ہے جو ایک چمڑے پر کھڑا ہو کر کہتا تھا کہ اے جماعت قریش! مجھے جو کوئی یہاں سے ہٹا دیگا تو اس کو ایسا ایسا انعام دوں گا۔ اور یہ بھی کہا کرتا تھا کہ محمد کا دعویٰ ہے کہ جہنم کے نگراں کار انیس ۱۹ ہیں لہٰذا میں اکیلا دس کے لئے بس ہوں اور تم باقی نو کو دیکھ لو۔" اس کی تفصیل سورۂ مدثر کی آیہ کریمہ علیها تسعة عشر کی تفسیر میں گزر چکی ہے اس کو ملاحظہ فرمالیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ آیات کریمہ اس موقع پر نازل ہوئی ہوں لیکن حکم عام ہے۔ جس میں ابوالاشدین بھی

داخل ہے۔

مِمَّ خُلِقَ کی تفسیر ارشاد ہو رہا ہے کہ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ہر انسان کو غور کرنا چاہیئے کہ اس کی تخلیق کس چیز سے ہوئی؟ اگرچہ انسان کی عادت ہے کہ وہ بلند بانگ دعوے کیا کرتا ہے اور ایسے دعوے اس امر کی علامت ہیں کہ وہ اپنی خودی کو بھولا ہوا ہے۔ اگر اپنی آفرینش پر غور کرتا کہ وہ کس چیز سے اور کس طرح ہوئی تو وہ ایسے بلند بانگ دعوے نہ کرتا۔ اس سورت شریفہ کی ابتدائی آیات کریمہ کی تفسیر میں جن غور طلب امور کا ذکر ابھی ابھی آیا ہے ان کے منجملہ یہ پہلا سوال ہے جس پر دعوت غور وفکر دی جارہی ہے یعنی انسان کو دیکھنا اور غور کرنا چاہیئے کہ وہ کس چیز سے بنایا گیا؟ انسان اپنی اس ابتدائی حالت کا کیا جواب دے سکتا جبکہ وہ موجود ہی نہ تھا اس لئے اس کا خالق جو تمام کائنات کا خالق ہے خود ہی اس کا جواب دے رہا ہے۔

مَاءٍ دافق کی تفسیر خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ۔ وہ انسان ایک اچھلتے ہوئے پانی سے بنایا گیا ہے" پانی کی حقیقت سے سب واقف ہیں کہ وہ ایک سیال (بہنے والی) چیز ہے۔ اس میں جہندگی (اُچھلنے) کی صفت کس طرح پیدا ہوتی ہے؟ یہ صفت اسی وقت پیدا ہوگی جب کہ اس پر کسی طرح کا تدافع (دباؤ) پڑے۔ یہ دباؤ اور تدافع جس درجہ قوی ہوگا اسی مناسبت سے اس میں جہندگی پیدا ہوگی۔ یہ ظاہر ہے کہ پانی کا

ایک ایک قطرہ ہوتا ہے جب قطرات کا سلسلہ قائم ہوا اور قطرات یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کو آگے کی طرف قوت سے بڑھاتے جائیں تو ان قطرات کی روانی میں تیزی اور جہندگی پیدا ہونا لازمی بات ہے۔ بہر حال یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ اس پانی کو پیدا کرنا، سیال بنانا اور اس کی روانی میں قطرات کا یہ تسلسل قائم کرنا جس کے باعث اس کی روانی میں سرعت اور جہندگی پیدا ہو یہ سب کچھ اسی حکیم علی الاطلاق کی حکمت بالغہ کی بدولت ہے۔ اس کے بعد یہ سوال ہوتا تھا کہ یہ پانی کہاں سے آتا ہے؟ اس کا جواب بھی سن لیجئے۔

الصلب والترائب کی تفسیر يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ۔ وہ پانی پیٹھ اور چھاتی کے درمیان سے نکلتا ہے" صُلب سے مراد یہ ہے کہ پیٹھ کی ہڈی کے منکے جس میں حرام مغز ہوتا ہے اور اس کا سلسلہ کمر سے دماغ تک قائم ہے۔ اور ترائب جمع ہے تَرِيْبَةٌ کی جس سے سینے کی ہڈیاں مراد ہیں۔ جو داہنی طرف سے چار اور بائیں طرف سے بھی چار ہیں۔ ان ہی کے درمیان سے نطفہ خارج ہوتا ہے۔ یوں تو نطفہ تمام اعضائے بدن کا نچوڑ ہے لیکن چونکہ یہ عصارہ (نچوڑ) تمام بدن سے اکٹھا ہو کر صلب اور سینے کی ہڈیوں میں جمع ہوتا اور وہاں سے اوعیہ منی میں آکر انثیین میں پکتا ہے تو اس کے خارج ہونے کی نوبت آتی ہے۔ بہر حال صلب اور ترائب اس کے اہم مقامات ٹھہرے اسلئے

خصوصیت کے ساتھ ان دونوں کا بیان فرمایا گیا۔

قول اول یہاں مفسرین کرام کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ صلب سے مرد کی پیٹھ اور ترائب سے عورت کی پسلیاں مراد ہیں۔ چنانچہ حضرت عکرمہ سے اس بارہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:۔ صلب الرجل وترآئب المرأۃ۔ (عبد بن حمید) مرد کا پانی صلب سے اور عورت کا پسلیوں سے نکلتا ہے۔" حضرت سیدنا ابن عباسؓ نے اس پر اتنا اضافہ فرمایا:۔ لا یکون الولد الا منھما (عبد بن حمید، ابن ابی حاتم) بچہ ان ہی دو پانیوں سے بنتا ہے۔" گویا ان دونوں کا پانی ایک جگہ جمع ہونا اور اس کے آمیزے سے بچے کی تخلیق ہوتی ہے۔ نیز حضرت ابن عباسؓ نے ترائب کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا:۔ الترآئب اربعۃ اضلاع من کل جانب من اسفل الاضلاع۔ (حاکم بروایت صحیح)۔ ترائب چار پسلیوں کا نام ہے ہر جانب سے یعنی داہنی جانب کی چار اور بائیں جانب کی چار۔ اور پانی ان پسلیوں کے نچلے حصے سے برآمد ہوتا ہے۔"

قول ثانی دوسرا قول یہ ہے کہ پانی مرد کا ہو یا عورت کا۔ ہر ایک کی صلب اور ہر ایک کی پسلیوں سے نکلتا ہے۔ اس کے بعد وہ ایک جگہ جمع ہو کر اس کے آمیزے سے بچے کی تولید ہوتی ہے۔ حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں:۔ یخلق العظام والعصب من ماء الرجل ویخلق اللحم والدم من ماء المرأۃ۔ (عبدالرزاق، ابن المنذر)

بچے کی ہڈیاں اور پٹھے، مرد کے پانی سے تیار ہوتے ہیں اور گوشت و خون کی تیاری عورت کے پانی سے ہوتی ہے۔" بہرحال یہ خدائے حکیم کی صنعت ہے کہ ایک قطرۂ آب سے انسان کی تخلیق عمل میں آتی ہے۔ اب انسان اپنے خالق اور رب کو بھول کر کیسے ہی بلند بانگ دعوے کیا کرے لیکن انسان کی حقیقت بس اتنی ہی ہے کہ وہ ماءِ مھین ایک ذلیل پانی سے بنایا گیا ہے۔ اللہ سبحانہ نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو جس کا نقطۂ آغاز، پانی کی ایک بوند ہے یہ کرامت اور یہ عزت و افتخار تمام کائنات پر بخشا ہے تو اس کے لئے کیونکر سزاوار ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے خالق اور رب کو ہی بھول جائے۔ اور اس کے بھیجے ہوئے مقبول و معصوم بندوں کی بات نہ مانے اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں میں جو اس کے احکام درج ہیں ان کی تعمیل سے سرتابی کرے۔ حاشا وکلا۔ اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے۔

اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝ فَمَا لَهٗ 86-8
مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝ بے شک وہ اس کے پھیر لانے پر ہر طرح قدرت رکھتا 86-9
86-10
ہے، جس دن جانچے جائیں بھید، تو کچھ نہ ہو گا اس کو زور اور نہ کوئی مدد کرنے والا۔"

اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ کی تفسیر یہاں بھی مفسرین کرام نے دو طرح تفسیر فرمائی ہے۔ ایک یہ کہ اللہ سبحانہ انسان کو اس کے مرنے اور فنا ہونے کے بعد دوبارہ حیات نو

بخش کر زندہ کر سکتا ہے۔ دوسری تفسیر یہ کہ یہ پانی جہاں سے آیا تھا پھر اس کو وہیں واپس کر سکتا ہے۔ درحقیقت یہ کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ "رجعہ" کی ضمیر کا مرجع متعین کرنے میں اختلاف ہے۔ "رجعہ" کی ضمیر کا مرجع اگر انسان کو قرار دیا جائے تو پہلی تفسیر اس کے مطابق ہوگی اور اگر "ہ" کی ضمیر پانی کی طرف رجوع ہو دوسری تفسیر اس کے مطابق ہوگی۔ لیکن سیاق وسباق کے لحاظ سے پہلی تفسیر ہی اولیٰ ہے اور جمہور مفسرین بھی اسی طرف گئے ہیں اس لئے کہ پہلی تفسیر کی رو سے قیامت میں انسانوں کے دوبارہ اٹھائے جانے کا مسئلہ اس سے حل ہو جاتا ہے جس سے کافر آج تک انکار کیا کرتے ہیں۔ اور قرآن کریم میں جا بجا اسی پر زیادہ زور دیا گیا ہے تاکہ انسان اس کو سمجھے اور اپنی عاقبت کی فکر کرے کہ انسان جبکہ کچھ نہ تھا تو اس کو ایک ذلیل و حقیر پانی سے بنایا گیا جو نہایت ہی عجیب تر ہے اور اس کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ پھر اسی خدائے قادر کا جب بار بار تاکید ارشاد ہو رہا ہے کہ دوبارہ اس کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو اگرچہ یہ نشأتِ ثانیہ بھی بجائے خود عجیب ہے لیکن نشأتِ اولیٰ کے اعتبار سے عجیب تر نہیں تو یہ امر کیوں مستبعد خیال کیا جائے؟ عقل کے نزدیک اس کے انکار کی کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی بلکہ اس کو تسلیم نہ کرنا کمال نادانی ہوگی۔ چنانچہ حضرت حسن بصریؒ نے انّه علی رجعه لقادر کی تفسیر میں فرمایا:۔ علی احیائه (ابن المنذر)

اللہ سبحانہ انسان کو اس کے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے "۔

دوسری تفسیر دوسری تفسیر کے سلسلہ میں حضرت سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

علی ان یجعل الشیخ شابا والشاب شیخا۔ (عبد بن حمید ابن المنذر) یعنی اللہ سبحانہ ہر طرح قادر ہے کہ بوڑھے کو جوان اور جوان کو بوڑھا بنا دے"۔ جو بھی اللہ سبحانہ جب اپنی قدرت کاملہ سے جو چاہے کر سکتا ہے کوئی اس کو روک نہیں سکتا اور کوئی کام اس کے نزدیک مشکل نہیں تو ایک انسان جس کی ذلت و حقارت کا یہ حال ہے تو اس کے لئے کیونکہ سزاوار ہو سکتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ اور اسکے بھیجے ہوئے رسولوں اور اسکی نازل کی ہوئی کتابوں کا انکار کرے؟

تبلی السرائر کی تفسیر یعنی روز قیامت ایسا دن ہوگا کہ تمام چھپی باتیں اور پوشیدہ راز کھل جائیں گے۔ ع روز محشر ہر نہاں پیدا شود۔

اگر کوئی اچھی بات اور نیکی کا خیال چھپا ہوگا یا کوئی نیک کام چھپ کر کیا ہوگا جس کو کوئی دیکھ نہ سکا اور نہ اس پر اطلاع پا سکا تو وہ ظاہر ہو کر رہیگا اور اس کی اچھی جزا ملے گی۔ اس کو کوئی قوت دفع کرنے والی نہ ہوگی اور نہ کوئی اس کے دفع کرنے میں معین و مددگار بن سکیگا۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: یبدئ اللہ یوم القیامۃ

کل سر فیکون زینا فی وجوہ و شینا فی وجوہ ۔ (مظہری) اللہ سبحانہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام اسرار کو آشکارا فرما دیگا۔ (اچھے اسرار سے) چہروں میں زینت وخوبصورتی نمایاں ہوگی " اللھم اجعلنا منھم ۔ آمین ۔ اسی طرح اگر کسی نے بری بات اور برا کام گناہ کا چھپ کر کیا ہوگا جس کی دوسروں کو خبر تک نہ ہوسکی تو وہ بھی قیامت میں کھل جائے گا۔ ہاں اللہ تعالیٰ مالک ومختار ہے اپنی شان ستاری سے گنہگار کے گناہوں کو چھپا بھی دے اور بخش بھی دے کیونکہ وہ ہر طرح قادر ومختار ہے۔

تمام سرائر عنداللہ منکشف ہیں حضرت ربیع بن خثیمؒ نے فرمایا:۔ السرائر التی تخفین من الناس وھن للہ بواد دوا ویل ا وھن قیل وما دوا ؤھن قال ان تتوب ثم لا تعود (عبدبن حمید) سرائر (سربستہ راز) وہی ہیں جو لوگوں سے مخفی رکھے جائیں۔ پر وہ اللہ سبحانہ کے آگے سب کچھ پوری طرح آشکارا ہیں۔ بچنے کی ایک ہی دوا ہے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ اس کی دوا کیا ہے؟ تو فرمایا کہ توبہ کرو دوبارہ ایسا نہ کرو۔"

سرائر کیا ہیں؟ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ضمن اللہ خلقہ اربعۃ الصلاۃ والزکاۃ وصوم رمضان والغسل من الجنابۃ وھن السرائر التی قال اللہ یوم تبلی السرائر۔ (بیہقی)

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے کہ (وہ اپنے بندوں کو نجات دے گا بلکہ ان کو اپنے اسرار
سے بہرہ ور فرمائے گا اگر) اس کی مخلوق (کم از کم) چار پوشیدہ اسرار کی ضمانت دیں۔
نماز، زکاۃ، رمضان کے روزے، اور جنابت کا غسل۔ یہی سرائر ہیں جن کا بیان
اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آیہ کریمہ یوم تبلی السرائر میں فرمایا ہے" یعنی یہ چار کام ایسے
ہیں کہ ان کو صحیح طریقہ پر ادا کیا یا نہیں اس کا حال دوسروں کو معلوم نہیں ہو سکتا مثلاً
نماز باوضو ادا کی یا بے وضو، کپڑے پاک تھے یا نہیں، جہاں نماز پڑھی وہ جگہ پاک تھی
یا کیا؟ ستر کا اہتمام کیا یا نہیں؟ وقت پر ادا کی یا کیا؟ سمت قبلہ ٹھیک تھی یا
نہیں؟ قراءت، تسبیحات، تشہد، درود، ارکان اور رکعات کس طرح ادا کئے دوسرے
کیا جانیں؟ اس کا حال صرف مصلی ہی جانتا ہے۔ یہی حال زکاۃ، روزے اور غسل
جنابت کا ہے۔ کم از کم ان چار کاموں کو صحیح طریق پر انجام دیا جائے تو اللہ سبحانہ بھی
ذمہ لیتا ہے کہ اس کو نجات دے گا۔ ان چار کاموں کو درست طریقہ پر ادا کرے تو
اس سے توقع ہو سکتی ہے کہ وہ دوسرے پوشیدہ کام بھی صحیح طور پر انجام دے گا۔
ورنہ ایک دن آرہا ہے جس میں یہ سارے راز کھل جائیں گے۔ دنیا میں تو وہ پاک باز
پابند روزہ و نماز مشہور تھا مگر آخرت میں حقیقت حال ظاہر ہو جائے گی۔ یہ
دکھاوا اور یہ شہرت کام نہ آئیگی۔ نہ اپنی سینہ زوری کام دیگی اور نہ کوئی معین و مددگار ہوگا۔

وَالسَّمَاۤءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ۙ وَالۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ ۙ اِنَّهٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ ۙ وَّمَا هُوَ بِالۡهَزۡلِ ؕ قسم ہے آسمان کی جو لوٹانے والا ہے، اور زمین کی جو پھٹنے والی ہے، یقیناً یہ (قرآن) کلام ہے فیصلہ کن، اور نہیں ہے وہ ہنسی کی بات۔"

آیات بالا کی تفسیر آسمان کا وصف ہے کہ بخارات جو اوپر چڑھتے ہیں انکو مینہ کی شکل میں زمین پر لوٹا دیتا ہے تو بارش ہوتی ہے۔ اور زمین کی صفت ہے کہ برسات کے زور سے جا بجا سے پھٹتی اور پانی کو اپنے اندر جگہ دیتی ہے۔ پھر ایک ایک نبات اوگتی ہے تو اس کو اپنے اندر سے نکالنے کے لئے جگہ جگہ سے شق ہوتی جاتی ہے۔ نباتات کے حق میں آسمان یعنی اوپر سے برسنے والی برسات بجائے باپ کے اور زمین بجائے ماں کے ہے جس میں سے شجر وثمر پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ ابتدائے آفرینش عالم سے جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا جس کا مشاہدہ عام طور پر سب ہی کر رہے ہیں۔ اس آسمان و زمین کی شہادت پیش کی جا رہی ہے اور ان دونوں کو گواہ گردان کر ان کی قسم کھائی گئی ہے کہ دیکھو بارش کی بدولت ہر سال، قحط اور خشک سالی کس طرح رفع ہوتی اور نباتات ایک ایک دفعہ فنا ہونے کے بعد کس طرح حیات نو لیکر بر آمد ہوتے جاتے ہیں؟ اگر اسی پر غور کرو تو حیات بعد الموت کی

صداقت اور واقعیت سمجھ میں آجائے گی اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا مسئلہ آسانی کے ساتھ معلوم ہو جائے گا۔ اور قیامت کے حق ہونے کی بابت جو شکوک اور اوہام کافروں کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں وہ دور ہو جائیں گے۔ بہرحال برسانے والے آسمان اور اُگانے والی زمین کی قسم ہے کہ قرآن کریم جو قیامت کے آنے کی خبر اس شد و مد سے دے رہا ہے اور نہ صرف یہی بلکہ اس کی تمام باتیں فیصلہ کن اور اٹل ہیں۔ اس کی ہر بات ایسی ہے کہ دل سے اس کو تسلیم کیا جائے اور ضرورت پر زبان سے اس کا اقرار و اعتراف کیا جائے۔ یہی تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان ایمان ہے۔ پھر وقت آنے پر قرآن کریم کے احکام پر عمل کرنا یہ اس کی علامت اور نشان ہے۔

وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ کی تفسیر

وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۔ "اور نہیں ہے وہ قرآن کریم ہنسی کی بات"۔ یعنی قرآن کریم کی ہر بات امر واقعہ اور حقیقت حال کا اظہار کرنے والی ہے۔ ہنسی مذاق، ٹھٹھا اور دل لگی کی کوئی بات اس میں نہیں ہے۔" اگر ایسا نہ ہو تو پھر کلام اللہ ہی کیا رہا؟ اور اللہ سبحانہ کے کلام معجز نظام اور دوسروں کے کلام میں فرق ہی کیا ہوا؟ یہ ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جو کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں:۔۔۔ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما الفتن فعظمها وشدّدها فقال علی بن ابی طالب یا رسول اللہ فما المخرج منها قال

كتاب الله فيه المخرج فيه حديث ما قبلكم ونبأ ما بعدكم وفصل ما بينكم
من تركه من جبار يقصمه الله ومن يبتغي الهدى في غيره يضله الله
وهو حبل الله المتين والذكر الحكيم والصراط المستقيم هو الذي لما
سمعته الجن لم تتناه ان قالوا انا سمعنا قرآنا عجبا يهدي الى الرشد
هو الذي لا تختلف به الالسن ولا تخلقه كثرة الرد۔ (محمد بن نصر
طبرانی) حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن فتنوں کا ذکر فرمایا (جو
آپ کے بعد پیدا ہوں گے) اور ان کی عظمت اور شدت کو تفصیل سے بیان
فرمایا۔ اس پر سیدنا علی ابن ابی طالب (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ) نے دریافت کیا۔ اے
خدا کے پیارے رسول! پھر ان فتنوں سے بچنے کی کیا صورت ہے؟ فرمایا کہ کتاب اللہ
(کو تھامے رہو) اسی میں نجات ہے۔ اس میں اگلوں کے واقعات ہیں اور آنے والوں
کی نسبت پیشین گوئیاں۔ اور جو اختلافات تمہارے درمیان دائر ہیں اس میں ان کا
فیصلہ ہے۔ کوئی جبار ظالم اس کو چھوڑ بیٹھے گا تو اللہ (اس کی گردن) توڑ کر رکھ دیگا۔
اور جو اس کو چھوڑ کر کسی اور جگہ راہ حق کی تلاش کرے گا تو اللہ اس کو گمراہی میں ڈال
دے گا۔ یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے (اس کو تھام کر بام عروج پر پہنچ سکو گے) اور اس
میں حکیمانہ نصیحتیں ہیں۔ اور صراط مستقیم کی رہنمائی بھی اس میں ہے۔ یہ وہی کلام ہے

جس کو سن کر قوم جن کے لوگ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ہم نے عجیب قرآن سنا جو سیدھی راہ کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ ایسا کلام ہے کہ ہر زبان کا آدمی اس کو سہولت سے پڑھ سکتا ہے اور بار بار پڑھنے سے اس کی رونق کم نہیں ہوتی" بلکہ نیا لطف آتا ہے۔

قرآن کریم کی فضیلت اس روایت کو خود حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے سن لیجئے۔ آپ فرماتے ہیں:۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انھا ستکون فتنۃ قلت فما المخرج منھا یا رسول اللہ قال کتاب اللہ فیہ نبأ من قبلکم و خبر من بعدکم وحکم ما بینکم ھو الفصل لیس بالھزل من ترکہ من جبار قصمہ اللہ ومن ابتغی الھدی فی غیرہ اضلہ اللہ وھو حبل اللہ المتین وھو الذکر الحکیم وھو الصراط المستقیم ھو الذی لا تزیغ بہ الاھواء ولا تشبع منہ العلماء ولا تلتبس بہ الا لسنۃ ولا یخلق من الرد ولا تنقضی عجائبہ ھو الذی لم تنتہ الجن اذ سمعتہ حتی قالوا انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی الرشد من قال بہ صدق ومن حکم بہ عدل ومن عمل بہ اجر ومن دعا الیہ ھدی الی صراط مستقیم

(ابن ابی شیبہ، دارمی، ترمذی، محمد بن نصر، ابن الانباری عن الحارث الاعور) حضرت رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنا ہے آپ فرماتے تھے عنقریب ایک فتنہ بپا ہوگا۔

میں نے عرض کیا اس سے بچ نکلنے کی کیا سبیل ہے؟ آپ نے فرمایا۔ کتاب اللہ! اس میں وہ تمام خبریں ہیں جو تم سے پہلے گزریں اور وہ جو تمہارے بعد ہونگی۔ نیز وہ تمام فیصلے جو تمہارے درمیان دائر ہوں گے۔ یہ اٹل فیصلہ ہے، ہنسی مذاق نہیں، جس سرکش و مغرور نے اس سے منہ موڑا اللہ اس کا سر توڑ دیگا۔ اور جس نے اس کو چھوڑ کر اور کہیں ہدایت تلاش کی، اللہ اس کو گمراہ کر دیگا۔ یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے اور یہی حکیمانہ نصیحت ہے اور یہی صراط مستقیم ہے جس کو حرص و ہوس ٹیڑھا نہیں کر سکتی، اور جس سے زبانیں خلط ملط نہیں ہو سکتیں، علماء اس سے کبھی سیر نہیں ہوتے، اس کو بار بار دہرانے سے جی نہیں اکتاتا، اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے، یہ وہی کلام ہے جس کو سن کر جنّ بھی بول اٹھے ہم نے عجب قرآن سنا جو سیدھی راہ پر چلاتا ہے، جو اس کے مطابق بولا سچ بولا اور جو اس پر عمل پیرا ہوا اجر پایا، جس نے اس کے موافق فیصلہ کیا منصف قرار پایا اور جس نے اس کی طرف آنے کی دعوت دی اس کو راہ راست ملی"۔ بہر حال قرآن حکیم کا ہر فیصلہ اٹل ہے۔ یہ کوئی ہنسی دل لگی کی بات نہیں ہے اس پر مضبوطی سے عمل کرتے رہو۔

6-15
6-16
6-17
إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ۝ وَأَكِيدُ كَيْدًا ۝ فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ
أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝ بے شک وہ لگے ہوئے ہیں کچھ داؤ کرنے میں اور میں بھی لگا ہوا ہوں کچھ داؤ میں، لہٰذا آپ ڈھیل دیجئے منکروں کو، ڈھیل دیجئے ان کو

تھوڑی سی "۔

تفسیر آیات صدر یعنی کافر یہ داؤ پیچ کر رہے ہیں کہ قرآن کریم کی تبلیغ میں نت نئی صورت سے رکاوٹ ڈالیں اور حق پسند لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کریں تاکہ کسی نہ کسی تدبیر سے حق کو ابھرنے اور پھیلنے نہ دیں، مگر وہ کیا جانیں کہ ہماری لطیف تدبیر بھی ساتھ ساتھ کار فرما ہے کہ ان کے سارے داؤ پیچ ٹوٹ کر رہ جائیں اور آپ کے مقابلے میں ان کی ایک چال بھی نہ چل سکے۔ بلکہ راہ حق میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے جو چال ان منکرین نے پھیلا رکھا ہے اس کو ان ہی کے گلوں میں پھندا بنا کر ڈال دیا جائے۔ وہ چاہتے ہیں اہل حق کو پھانسنا، اور ہو یہ رہا ہے کہ خود ہی اس میں پھنستے جا رہے ہیں ایسا کہ پھر کبھی نکل نہ سکیں۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ اللہ سبحانہ کے آگے کسی کی چالبازی اور مکاری کیا چل سکتی ہے؟

فمہل الکافرین کی تفسیر فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا۔ لہذا اے نبی کریم آپ ان کی سزا دہی میں جلدی نہ فرمائیں اور ان کی چالوں سے گھبرا کر بددعا نہ کریں۔ ان کافروں کو صرف ڈھیل دیجئے۔ یہ ڈھیل زیادہ نہیں بلکہ ذرا سی چند روزہ ہوگی پھر دیکھئے کہ انجام کیا ہوتا ہے؟ حضرت سدیؒ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ امهلهم حتیٰ آمر بالقتال۔ (ابن المنذر) جہاد کا حکم آنے تک ان کو

ڈھیل دیتے جائیے۔" اور حضرت سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا: ھذا وعید من اللہ عزوجل قد اخذھم اللہ یوم بدر۔ (مظہری) یہ خدائے عزوجل کی طرف سے کافروں کے حق میں وعید ہے چنانچہ اللہ سبحانہ نے کچھ ہی مدت گزرنے پر غزوہ بدر میں کفار کو گرفتار عذاب کیا۔"

فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ آیہ کریمہ کفار کے حق میں تو وعید ہے لیکن حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تسلی خاطر ہے کہ کافروں کی ایذاؤں کا دور ختم ہو رہا ہے اور آپ کی کامیابی اور فتح و نصرت کا زمانہ قریب آرہا ہے۔

حضرت ابن زید فرماتے ہیں: مھّلھم فلا تعجل علیھم ترکھم حتی اذا اراد الانتصار منھم امرہ بجھادھم وقتالھم والغلظۃ علیھم۔ (ابن جریر) ان کو مہلت دیجئے اور جلدی نہ کیجئے وہ اپنی غفلت میں پڑے رہیں۔ تا آنکہ جب اللہ سبحانہ نے ان سے بدلہ لینے کا ارادہ فرمایا تو آپ کو جہاد و قتال اور ان کے ساتھ شدت اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔"

الحمد للہ والمنہ کہ سورۂ طارق کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالی وسلم علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

(پنجشنبہ ۷ ربیع الآخر ۱۳۸۰ھ)